تعلیم الاسلام کالج اولڈ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن برطانیہ کا ترجمان

ماہنامہ

انٹرنیٹ گزٹ

المنار

جلد نمبر: 4

دسمبر 2014

شمارہ: 12

نائب ایڈیٹر: آصف علی پرویز

ایڈیٹر: مقصود الحق

مینیجر: سید نصیر احمد

دوستو تم کو مبارک ہو کہ نکلا المنار　　اک مقدّس درسگاہ کی خوبصورت یادگار
غرب سے اُبھرا ہے لیکر دعوتِ علم و عمل　　پُھولتا پھلتا رہے دائم بفضلِ کردگار

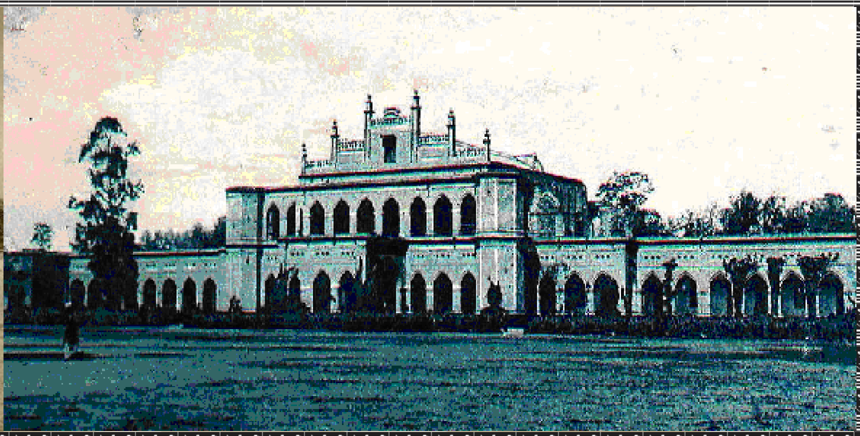

Taleem-Ul-Islam College
Old Students
Association - U.K

53, Melrose Road,
London, SW18 1LX.
Ph. : 020 8877 5510
Fax: 020 8877 9987
e-mail:
ticassociation@gmail.com

المنار ہر ماہ باقاعدگی سے جماعت احمدیہ کی مرکزی ویب سائٹ alislam.org پر upload کر دیا جاتا ہے۔ آپ گزشتہ شمارے دیکھنا چاہیں تو Periodicals کے حصّہ میں جا کر ان کا مطالعہ کر سکتے ہیں۔ المنار کو ہمیشہ آپ کی آراء کا انتظار رہتا ہے۔ (ادارہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم　　نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم　　وعلیٰ عبدہ المسیح الموعود

قال اللہ تعالیٰ

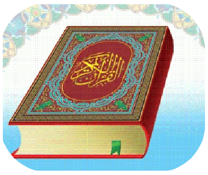

يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا ۗ وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّآ أُولُوا الْأَلْبَابِ ﴿۲۷۰﴾

(سورۃ البقرہ:270)

وہ جسے چاہے حکمت عطا کرتا ہے اور جو بھی حکمت دیا جائے تو یقیناً وہ خیر کثیر دیا گیا اور عقل والوں کے سوا کوئی نصیحت نہیں پکڑتا۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

حکمت اور دانائی کی بات تو مومن کی اپنی کھوئی ہوئی چیز ہوتی ہے، اسے چاہئے کہ جہاں بھی اسے پائے، لے لے کیونکہ وہی اس کا بہتر حقدار ہے۔(از ترمذی بحوالہ چالیس جواہر پارے صفحہ 115)

کلام الامام

سو یہ علوم و معارف جو دوسرے لفظوں میں حکمت کے نام سے موسوم ہیں یہ خیر کثیر پر مشتمل ہونے کی وجہ سے بحرِ محیط کے رنگ میں ہیں جو کلام الٰہی کے تابعین کو دئے جاتے ہیں اور ان کے فکر اور نظر میں ایک ایسی برکت رکھی جاتی ہے جو اعلیٰ درجہ کے حقائق حقہ ان کے نفس آئینہ صفت پر منعکس ہوتے رہتے ہیں اور کامل صداقتیں ان پر منکشف ہوتی رہتی ہیں۔

(براہین احمدیہ جلد اوّل صفحہ 533)

ارشاد حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

’’اُن لوگوں نے جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے نور پایا انہوں نے تو ہزار سال پہلے اپنی علمیت کا سکہ منوالیا تھا۔ یورپ جو آج علم کی روشنی کا اظہار کر رہا ہے، یورپ نے ان سے علوم سیکھے تھے۔ پس روحانی نور ہی نہیں بلکہ دنیاوی ترقیات کے لئے بھی وہ لوگ روشنی کا مینار بن گئے۔ پس آج مسلمانوں کو غور کی ضرورت ہے کہ وہ نور جس نے تمام دنیا کو روشن کیا، کیا دنیاوی علوم کے لحاظ سے اور کیا روحانی علوم کے لحاظ سے، وہ نور کیوں ان کے اندر سے نہیں نکل کر پھیل رہا، جس کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مبعوث ہوئے تھے اور اپنے ماننے والوں میں وہ نور پیدا کیا تھا۔ اللہ، رسول اور قرآن کی پیروی کا دعویٰ ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ نور نظر نہیں آ رہا۔ وجہ صاف ظاہر ہے کہ اس زمانہ میں جس شخص نے اس نور کا حقیقی پرتو بننا تھا اس کا انکار کیا ہے۔ لیکن ساتھ ہی احمدیوں کے لئے بھی سوچنے کا اور فکر کرنے کا مقام ہے کہ منہ سے ماننے کا دعویٰ کرکے نور سے حصہ نہیں مل جاتا۔ اس قرآنی نور سے حصہ لینے کیلئے اس انسان کامل کے عاشق صادق کی بیان کردہ تعلیم اور قرآنی تفسیر پر غور کرنا اور اس کو اپنے اوپر لاگو کرنا بھی ضروری ہے۔ دنیا میں ڈوب کر روشنی تلاش نہ کریں بلکہ قرآن کریم میں ڈوب کر حکمت کے موتی تلاش کرنا ہر احمدی کا فرض ہے اور دنیا کو حقیقی روشنی سے روشناس کروانا ضروری ہے۔‘‘

(خطبہ جمعہ 11 دسمبر 2009 از اخبار احمدیہ برطانیہ نومبر 2010)

احمدیت نے کیسے کیسے اولیاء اللہ پیدا کئے

ایسے اولیاء اللہ کی ایک لمبی فہرست ہے جو سب کے سب آسمانِ احمدیت پر روشن ستاروں کی طرح چمکتے ہیں۔ ان میں سے ایک حضرت مرزا عبدالحق صاحبؒ ایڈووکیٹ سرگودھا تھے۔ ان کے بارے میں مکرم منیر احمد باجوہ لکھتے ہیں:

’’آپ بار ایسوسی ایشن میں ایسی شخصیت تھے جن کی سچائی اور عظمت کردار کی وجہ سے اپنوں، بیگانوں، وکیلوں اور عدالتوں میں بلاشبہ بے حد احترام کیا جاتا تھا۔ آپ کے کلرک (منشی) میاں ذوالفقار علی ننکیانہ (غیر از جماعت) بزرگ تھے انہوں نے بتایا کہ ایک دفعہ کافی عرصہ گزر گیا اور ہمارے پاس کوئی کیس نہ آیا، ایک دن ایک پارٹی آئی اور مرزا صاحب کو کہنے لگی کہ ہم نے اپنے کیس میں آپ کو وکیل کرنا ہے۔ مرزا صاحب نے کیس لے لیا، کاغذات مکمل کروائے۔ فریق فیس وغیرہ دے کر بس اڈہ کی جانب روانہ ہو گیا۔ کاغذات کی جانچ پڑتال کرتے ہوئے مرزا صاحب کے علم میں آیا کہ یہ فریق تو جھوٹا مقدمہ لے کر آیا ہے اور سراسر زیادتی کر رہا ہے چنانچہ مرزا صاحب نے مجھے ان کے پیچھے دوڑایا کہ جلد انکو واپس بلاؤ۔ میں بس اڈہ سے انکو لے آیا۔ مرزا صاحب نے ان کے کاغذات اور فیس واپس کرتے ہوئے کہا کہ میں آپ کا یہ جھوٹا کیس ہرگز نہیں لڑ سکتا۔ آپ جانیں اور آپکا کیس۔ بار روم میں بیٹھے تمام وکلاء بھی مرزا صاحب کی حق گوئی اور اعلیٰ کردار کو دیکھ کر ششدر رہ گئے۔ منشی صاحب آگے بیان کرتے ہیں کہ مرزا صاحب نے اپنی جیب سے کچھ رقم نکالی اور مجھے دیتے ہوئے کہا کہ یہ اس کیس میں سے آپ کا منشیانہ (حصہ) بنتا ہے آپ لے لیں، آپ کیوں محروم رہیں۔

1974 میں پنجاب کے وزیر اعلیٰ حنیف رامے صاحب سرگودھا کے دورے پر آئے ہوئے تھے اور پولیس کی بھاری نفری شہر میں تعینات تھی۔ عین اسی وقت احمدیت کے مخالفین کا جلوس نکلا جنہوں نے احمدیوں کے گھروں کو لوٹنا اور جلانا شروع کر دیا۔ مرزا صاحب کے گھر پر بھی بلوائیوں نے حملہ کر دیا۔ اور آپ کا سامان گھر سے نکال کر توڑنے پھوڑنے لگے۔ اس پر مرزا صاحب برآمدے میں ٹہلتے درود شریف پڑھتے رہے اور ساتھ ساتھ ان حملہ آوروں کو کہتے رہے کہ اس سامان کو توڑو نہیں بلکہ اسی طرح اپنے ساتھ لے جاؤ تاکہ تمہارے استعمال میں آ سکے۔ ان ہنگاموں کے بعد ربوہ میں عدالت بن گئی۔ کچھ عرصہ کے بعد سرگودھا کے ایک نامور غیر از جماعت فوجداری وکیل سید احسان قادر شاہ صاحب جو بھٹو کیس میں لاہور ہائی کورٹ میں پیش ہوتے رہے، ربوہ عدالت میں کیس کے سلسلہ میں آئے اور ذکر چل نکلا سرگودھا کے ہنگاموں کا۔ فرمانے لگے کہ میں حیران ہوں مرزا صاحب کے اس فعل پر کہ انہیں اپنے سامان کا ذرا بھی درد نہیں تھا بڑی فراخ دلی سے حملہ آوروں کو مشورہ دے رہے تھے کہ اسے توڑو نہیں، اپنے ساتھ لے جاؤ آپ کے کام آئے گا۔‘‘

(الفضل ربوہ، یکم دسمبر 2014)

کشتی کے چپّو پُختہ کار ہاتھوں میں

تعلیم الاسلام کالج کے بارے میں تاثرات

(رانا عبدالرزّاق خاں)

''آج آپ کے ادارہ میں آکر میری اپنی طالب علمی کا دور میری آنکھوں کے سامنے آ گیا۔ آکسفورڈ جیسی فضا دیکھ کر میرے دل میں پرانی یادیں تازہ ہوگئی ہیں۔ اور میں یہ سوچ رہا ہوں کہ آپ لوگ خوش قسمت ہیں کہ آپ کو مثالی تعلیمی اور تربیتی ماحول میسّر ہے جہاں دوسری جگہوں کی مضرت انگیز مصروفیات ناپید ہیں۔''

(جسٹس انوارالحق صاحب جج عدالتِ عالیہ مغربی پاکستان لاہور 1962)

☆☆

''خالصتاً ذاتی عزم وکوشش کے نتیجہ میں ربوہ میں تعلیم الاسلام کالج جیسی درسگاہ کو قائم کر دکھانا اور پھر اسے پروان چڑھا کر اسے موجودہ معیار تک لانا ایک عظیم کارنامہ ہے۔ تعلیم الاسلام کالج کی یہ خوش قسمتی ہے کہ اسے ایک ایسے پرنسپل کی راہنمائی حاصل ہے جو ایمان ویقین، خلوص وفدائیت، اور بلند کرداری کے اعلیٰ اوصاف سے مالا مال ہے۔ آج ہمیں ایسے ہی باہمت، بلند حوصلہ اور اہل انسانوں کی ضرورت ہے۔ تاہم میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میرے دل میں اور ان تمام لوگوں کے دلوں میں جو اس صوبے میں تعلیم سے کسی نہ کسی طرح متعلق ہیں محبت کا ایک خاص مقام ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تعلیم الاسلام کالج دو نمایاں اور ممتاز شخصیتوں ....والد ورفرزند.... کی محنت، محبت اور شفقت کا ثمرہ ہے۔ میری مراد آپ کی جماعت کے واجب الاحترام امام جو اس کالج کے بانی ہیں اور اُن کے لائق وفائق فرزند مرزا ناصر احمد صاحب سے ہے۔ وہ اپنے مشہور ومعروف خاندان کی قائم کردہ روایات کو وقف کی رُوح اور ایک ایسے جذبہ وجوش کے ساتھ چلا رہے ہیں جو دوسرے ممالک میں شاذ ہی نظر آتا ہے۔ جب میں اس کالج پر نظر ڈالتا ہوں تو مجھے انگلستان اور امریکہ میں علم کی ترویج اور اس کے فروغ کے متعلق انسانوں کے وہ عظیم محسن یاد آئے بغیر نہیں رہتے جنہوں نے خدمت کی نیت سے آکسفورڈ، کیمرج، ہارورڈ میں کالج قائم کئے۔ خالصتہً ذاتی عزم وہمت کے بل بوتے پر ربوہ میں ایک ایسی درسگاہ قائم کر دکھانا ایک عظیم کارنامہ ہے اور پھر اس کی آبیاری کرنا اور پروان چڑھا کر اسے حسن وخوبی اور مضبوطی واستحکام سے مالا مال کر دکھانا اور بھی زیادہ قابلِ ستائش ہے۔ ایک ایسے پرائیویٹ ادارے کو دیکھ کر جو باہمی مخاصمت اور ایک دوسرے کے خلاف سازشوں سے پاک ہو اور جس کی تمام تر کوششیں اعلیٰ تر مقاصد کے حصول کے لئے وقف ہوں، استعجاب اور رشک کے جذبات کا اُبھرنا ایک قدرتی امر ہے۔ آپ کے امام جماعت کو علم اور اس کی ترویج سے جو محبت ہے آپ کے پرنسپل صاحب اور ممبران سٹاف ایسے ماہرینِ تعلیم بھی اس میں حصہ دار ہیں۔ مرزا ناصر احمد صاحب جنہیں اپنے شاگردوں میں شامل کرنا میرے لئے باعثِ عزت ہے۔ برّصغیر ہندو پاکستان کے نامور فاضل اور ماہر تعلیم ہیں۔ یہ کالج کی خوش قسمتی ہے کہ اُسے ایک ایسے پرنسپل کی راہنمائی حاصل ہے جو اپنی زندگی میں آج کے دن تک بڑی مستقل مزاجی کے ساتھ مقررہ نصب العین کے حصول کے لئے چلے آرہے ہیں۔ اور زمانے کے اتار چڑھاؤ ان کے لئے سدِّ راہ ثابت نہیں ہو سکے۔ ان سے کم اہلیت اور کم عزم وحوصلہ کا انسان ہوتا تو زمانے کے اتار چڑھاؤ سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکتا۔ ہمیں ایسے آدمیوں کی ضرورت ہے جو ایمان ویقین، فدائیت اور بلند کرداری کے اوصاف سے متصف ہوں۔ مرزا ناصر احمد صاحب سے تعارف اور ان کی دوستی کے شرف سے مشرف ہونا عزم وہمت کے ازسرِ نو بحال ہونے کے علاوہ خود اپنے آپ کو اس مستقبل کے بارے میں جو زمانے کے پریشان کُن بادلوں کے پیچھے پوشیدہ ہے، ایک پختہ اور غیر متزلزل اتحاد سے بہرہ ور کرنے کے مترادف ہے۔''

(پروفیسر سراج الدین صاحب سیکرٹری محکمہ تعلیم مغربی پاکستان، 1955)

☆☆

''اس ادارے کی کشتی کے چپّو بڑے ہی پختہ کار ہاتھوں میں ہیں جو جانتے ہیں کہ ماحول کے ساتھ مناسبت پیدا کر کے بالآخر ماحول پر کس قدر غلبہ پایا جاسکتا ہے یہ بجائے خود بہت بڑی خوبی پر دلالت کرتا ہے۔''

(جسٹس سجاد احمد جان صاحب جج عدالتِ عالیہ مغربی پاکستان لاہور دسمبر 1962)

☆☆

''میں مبارکباد دیتا ہوں اس کالج کے بانیوں کو کہ انہوں نے اس ادارہ کو قائم کیا پھر اُسے ترقی دے کر اس حد تک لائے اور اب اُسے ترقی دینے کے خواہاں ہیں۔ مجھے پرنسپل صاحب سے پتہ چلا ہے کہ ہر سال ہی اس کالج کے نتائج یونیورسٹی اور بورڈ کی شرح فیصد سے زیادہ رہتے ہیں یہ امر واقعی باعثِ مسرت ہے میں پرنسپل اور اُن کے سٹاف کی خدمت میں دلی مبارک پیش کرتا ہوں کہ وہ ایک ایسے ادارہ کی سربراہی کا فرض ادا کر رہے ہیں جس پر وہ فخر کر سکتے ہیں۔''

(جناب حماد رضا صاحب کمشنر سرگودھا، 1962)

☆☆

''بلاشبہ آپ کا یہ تعلیمی ادارہ اس لحاظ سے بہت خوش قسمت ہے کہ اُسے وہ ماحول میسر ہے جسے ہم صحیح معنوں میں تعلیمی ماحول کہتے ہیں۔ یہاں دھیان بٹانے والی اور توجہ ہٹانے والی بے مقصد قسم کی غیر علمی مصروفیات ناپید ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس خالص تعلیمی ماحول میں حصول تعلیم اور کردار سازی کے نقطہ نگاہ سے آپ کو یہاں ایک بھرپور زندگی بسر کرنے کا زرّیں موقع حاصل ہے۔ اور آپ لوگ سیرت وکردار کے یکساں سانچوں میں ڈھلتے ہوئے نظر آتے ہیں۔'' (سابق سیکرٹری محکمہ تعلیم جناب انور عادل صاحب سی ایس پی سیکریٹری صوبائی وزارتِ داخلہ 62-1961)

☆☆

''یہ کالج دوسری غیر سرکاری درسگاہوں کی طرح ہمارے قومی نظامِ تعلیم میں ایک خاص مقام رکھتا ہے۔ مجھے اس میں قطعاً شبہ نہیں کہ قومی جماعتوں اور انجمنوں کی قائم کی ہوئی درسگاہیں اپنی خامیوں اور کمزوریوں کے باوجود ہماری اجتماعی زندگی میں ایک بنیادی ضرورت کو پورا کر رہی ہیں اور ان کے نہ ہونے سے ہماری زندگیوں میں ایک خلا ہوگا۔''

(حمید احمد خاں صاحب وائس چانسلر پنجاب یونیورسٹی)

حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

کی بابرکت موجودگی میں

تعلیم الاسلام اولڈ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن برطانیہ کے زیرِ اہتمام

ایک یادگار ادبی شام

تعلیم الاسلام کالج اولڈ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن برطانیہ کے زیرِ اہتمام 15 نومبر 2014 کومحمود ہال میں ایک یادگار مجلس شعروسخن کا اہتمام کیا گیا۔ پروگرام کا آغاز تلاوت قرآن پاک سے ہوا جسکے بعد حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا پاکیزہ حمدیہ کلام ترنم سے پیش کیا گیا۔

پروگرام کے پہلے حصے میں برطانیہ کے مختلف شہروں سے آئے ہوئے شعرائے کرام نے اپنا کلام پیش کیا۔نظامت کے فرائض مکرم آدم چغتائی صاحب نے ادا کئے۔

نمازعشاء کے وقفہ کے بعد پروگرام کے دوسرے حصہ کی نظامت مکرم مبارک صدیقی صاحب کے سپرد تھی۔حضورانور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی آمد کے پیش نظر محمود ہال کو بہت خوبصورتی کے ساتھ سجایا گیا تھا اور داخلے کے لئے خصوصی دعوت نامے جاری کئے گئے تھے۔ اپنے محبوب امام کا قرب پانے کے لئے ایسوسی ایشن کے ممبران دوردراز سے تشریف لائے ہوئے تھے اور ہال میں گنجائش سے بڑھ کر احباب سراپا شوق موجود تھے۔ بعض دیر سے پہنچنے والے احباب کو ہال کے دروازوں میں کھڑے ہو کر کاروائی سننی پڑی۔مردوں کے لئے محمود ہال میں جب کہ خواتین کے لئے نصرت ہال میں بیٹھنے کے انتظامات کئے گئے تھے۔حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی تشریف آوری کے ساتھ ہی یوں لگا جیسے بہار آ گئی ہو۔ہال میں موجود احباب کے چہروں پرخوشی اور شادابی کی ایک لہر دوڑ گئی اور حاضرین محفل نے نہایت ادب کے ساتھ کھڑے ہو کے اپنے محبوب امام کا استقبال کیا۔ بیٹھنے کا انتظام کچھ اس طرح ترتیب دیا گیا تھا کہ ہال کے عین وسط میں سٹیج بنایا گیا تھا اور سامعین سٹیج کے دائیں بائیں اور سامنے بہت قریب بیٹھے ہوئے تھے۔اور یوں پیارے آقا ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز ہم سب کے درمیان رونق افروز تھے۔مکرم مبارک صدیقی صاحب صدر تعلیم الاسلام کالج اولڈ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن برطانیہ نے پیارے آقا ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کو تعلیم الاسلام کالج اولڈ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن برطانیہ کی مجلس عاملہ و جملہ ممبران کی طرف سے خوش آمدید کہا اور شکریہ ادا کیا کہ پیارے آقا حضور انور نے اپنی اس قدر مصروفیات کے باوجود ہماری اس درخواست کو قبول فرمایا۔

حضورانور کے رونق افروز ہونے کے بعد سب سے پہلے مکرم مبارک صدیقی صاحب نے حضورانور کی اجازت سے اپنا کلام پیش کیا:

میرا خواب تھا کسی روز تو میری منتظر یوں بہار ہو
جو اُٹھے نگاہ جھکی ہوئی میرے رُوبرو رخِ یار ہو
وہی یار کہ وہ جدھر چلے وہاں روشنی کا نزول ہو
جو لکھے وہ حرف مجیب ہو جو کرے دعا وہ قبول ہو

وہ شگفتہ گل کہ جسے چھوئے وہی شاخ سبز گلاب ہو
جسے سوچنے کی جزاء ملے جسے دیکھنا بھی ثواب ہو

اس کے بعد مکرم مقصود الحق صاحب کو دعوتِ کلام دی گئی،جن کے چند اشعار پیش خدمت ہیں:

حاصلِ عمر سمجھتے ہیں ترے پیار کو لوگ
ہو کے دیوانے چلے آئے ہیں دیدار کو لوگ
تجھ سے جو عہد کیا اُس کو نبھانے کے لئے
اپنی پلکوں میں پِرو لائے ہیں اقرار کو لوگ

☆☆

اشک در اشک عطا غم کی جو دولت کی ہے
اپنے بندوں پہ بڑی اُس نے عنایت کی ہے
جو بھی کہنا تھا کہا اپنے خدا سے ہم نے
تم سے بھُولے سے بھی کب کوئی شکایت کی ہے
جو مسیحا تھا اُسے ہم نے مسیحا مانا
فکرِ ملّاں سے سرِدار بغاوت کی ہے
تم کو دجّال ملا ہم کو مسیح و مہدی
بات دونوں کے نصیبوں کی ہے قسمت کی ہے
ہم بھی تم جیسے ہی بکھرے ہوئے دانے ہوتے
ہم میں وحدت کی بنا، حبل خلافت کی ہے

دوران مشاعرہ گاہے بگاہے پُرلطف وپُرمزاح پھلجھڑیوں کا سلسلہ بھی جاری رہا اور نظامت کے ساتھ اِس کی ذمہ داری بھی مکرم مبارک صدیقی صاحب اپنے مخصوص باغ و بہار انداز میں خوب نبھاتے رہے،جس سے یہ خوبصورت محفل ابتداء سے اختتام تک کشت زعفران بنی رہی۔پھر مکرم نورالجلیل نجمی صاحب کے حمدیہ کلام کے بعد مکرم محمد افضل ترکی صاحب نے ربوہ کی یاد میں جو کلام پیش کیا اس کے چند اشعار درج ذیل ہیں:

فضائے دہر ربوہ میں مسرّت ہی مسرّت تھی
وہاں جو بن پے چڑھتی تھی مستی یاد آتی ہے
عجیب انسان بستے تھے وہاں درویش صورت کے
مجھے فرقت میں اُن کی اونچی ہستی یاد آتی ہے
کوئی بھی یاد لندن میں مجھے تُرکی نہیں آتی
جو آتی ہے تو بس ربوہ کی بستی یاد آتی ہے

مکرم محمد افضل ترکی صاحب کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ جب ربوہ شہر آباد ہوا تو اس موقع پر

سب پہلے بیعت کرنے والے نوجوان آپ ہی تھے۔ اور یوں آپ ربوہ کا پہلا پھل قرار پائے۔

ازاں بعد مکرم آدم چغتائی صاحب نے اپنے مخصوص لحن اور ترنّم سے سامعین کی سماعتوں میں رس گھولا۔

اس پُرلطف و پُروقار محفل کے آخری شاعر مکرم ومحترم عطاء المجیب راشد صاحب (امام مسجد فضل لندن) تھے۔ مکرم ومحترم امام صاحب نے مختلف مواقع اور مختلف موضوعات پر کہے گئے اپنے خوبصورت کلام سے حاضرین کو محظوظ فرمایا۔ مکرم عبدالوہاب آدم صاحب کی یاد میں کہے گئے ان کے کلام سے چند اشعار پیش خدمت ہیں:

ارضِ افریقہ کا اک روشن گُہر جاتا رہا
دین کی خدمت سے جس کا عمر بھر ناطہ رہا
لوگ کہتے تھے جسے ظلمات کا مسکن کبھی
اُس میں ہر سُو روشنی ہر آن پھیلاتا رہا
خدمتِ انسانیت تھا اس کا مقصودِ حیات
زندگی بھر وہ اِسی رہ پر چلا جاتا رہا
کی مزیّن شاہراہوں پر مسیحا کی شبیہ
اُس کے آجانے کے نغمے چارسُو گاتا رہا
کیا بھلی سی بات کی ہے ایک دانش مند نے
جو ملا تھا تحفہ سارے ملک کو، جاتا رہا
تھا خلافت کی اطاعت میں وہ خود اپنی مثال
ایک ابرو کے اشارے پر بچھا جاتا رہا
ہے وہاب آدم کے اِس انجام پر راشدؔ کو ناز
سارے خطے میں اُسی کا تذکرہ آتا رہا

مشاعرے کے اختتام پر مکرم فرید احمد صاحب سیکریٹری امور خارجہ UK جنہوں نے حال ہی میں شاعری کے میدان میں قدم رکھا ہے، اپنی نظم حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ کی پُرشفقت اجازت سے پیش کی۔ مشاعرے کے اختتام پہ حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے کچھ دیر عمومی دلچسپی کے امور اور موجودہ عالمی صورتحال پر حاضرین سے بے تکلّف گفتگو بھی فرمائی۔ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ نے مجموعی طور پر قریباً ڈیڑھ گھنٹے تک اس محفل کو اپنی صد افتخار اور مبارک موجودگی سے اعزاز بخشا۔ اپنے محبوب امام ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کو اپنے درمیان اور اس قدر قریب پا کر تعلیم الاسلام کالج کے سابق طلبائے کرام اپنے اس اعزاز پر بہت شاداب تھے اور ان کے چہرے خوشی سے دمک رہے تھے۔ آخر میں حضور انور نے دعا کروائی، جس کے ساتھ یہ بابرکت تقریب اپنے اختتام کو پہنچی۔

مشاعرے کے پہلے دور میں اپنا کلام پیش کرنے والوں میں مکرم عبدالقدیر کوکب صاحب، مکرم رانا عبدالرزاق خاں صاحب، مکرم انور مرزا صاحب، مکرم چوہدری صفدر علی گجر صاحب، مکرم محمد رمضان شائق صاحب، مکرم عطاء الحق صاحب، مکرم ڈاکٹر طارق انور باجوہ صاحب، مکرم واحد اللہ جاوید صاحب، مکرم فرید احمد صاحب مکرم عامر امیر صاحب اور مکرم اقبال مجیدی صاحب شامل تھے۔

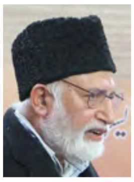

(رپورٹ: شعبہ اشاعت ٹی آئی کالج اولڈ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن برطانیہ)

تعلیم الاسلام

تعلیم الاسلام

ایک یادگار ادبی

مرا بچپن جہاں گزرا

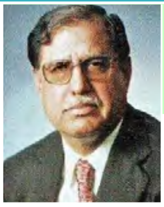

مکرم محمد داؤد طاہر صاحب نے 1961 میں تعلیم الاسلام ہائی سکول سے میٹرک کرنے کے بعد ٹی آئی کالج ربوہ میں داخلہ لیا۔ بی اے امتیاز کے ساتھ پاس کیا اور پھر 1967 میں سیاسیات میں ایم اے کر کے ٹی آئی کالج گھٹیالیاں میں لیکچرر کے طور پر تدریسی فرائض سرانجام دینے لگے۔ کچھ عرصہ الیکشن کمیشن آف پاکستان سے بھی منسلک رہے۔ 1969 میں CSSP میں کامیابی کے بعد سرکاری ملازمت میں آئے، جہاں سے 2004 میں ریٹائر ہوئے تو پنجاب پبلک سروس کمیشن میں بطور ممبر تقرری کا پروانہ آپ کا منتظر تھا۔ علمی ذوق ورثہ میں پایا، جسے ربوہ اور تعلیم الاسلام کالج کے علم پرور ماحول نے مزید جلا بخشی۔ ''شوق ہمسفر میرا'' کے نام سے جس ادبی سفر کا آغاز آپ نے کیا تھا وہ آج بھی جاری و ساری ہے اور اب آپ کی آٹھویں کتاب ''مرا بچپن جہاں گزرا'' رُونمائی کی منتظر ہے۔ اس کتاب کا خوبصورت دیباچہ مکرم و محترم چوہدری محمد علی صاحب نے ''حرفے چند'' کے عنوان سے تحریر فرمایا ہے، جو نذر قارئین کیا جا رہا ہے۔

حرفے چند

میں عزیزم محمد داؤد طاہر کو اس وقت سے جانتا ہوں جب انہوں نے تعلیم الاسلام کالج میں نیا نیا داخلہ لیا تھا۔ ان کے اختیاری مضامین میں سے ایک منطق تھا اور یہ مضمون انہیں میں پڑھایا کرتا تھا۔ میں نے چند ہی روز میں محسوس کر لیا کہ داؤد اپنے باقی ساتھیوں سے قدرے مختلف ہیں اور پڑھائی میں گہری دلچسپی لیتے ہیں۔ منطق پر ان کی گرفت اچھی خاصی تھی اور کلاس ٹیسٹوں میں بالعموم فرسٹ آیا کرتے تھے۔ میں سنتا رہتا تھا کہ باقی مضامین میں بھی ان کی کارکردگی قابل تعریف رہتی ہے لہٰذا میں سمجھتا تھا کہ ان میں وہ جوہر موجود ہے جو سنٹرل سپیریئر سروسز آف پاکستان اگزامینیشن میں ان کی کامیابی کی ضمانت بن سکتا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ میں نے انہیں اسی زمانے میں اس امتحان میں شمولیت کا مشورہ دینا شروع کر دیا تھا۔ میرا خیال تھا کہ وہ سول سروسز کے امتحان کیلئے تیاری کریں تو اس میں کامیاب ہو سکتے ہیں۔ مجھے افسوس ہے کہ وہ براہ راست میری شاگردی میں ایک سال ہی رہے اور یوں ہمارا میل جول قدرے کم ہو گیا۔ لیکن وہ جب بھی ملتے بہت سعادت مندی کے ساتھ۔

میں جانتا تھا کہ ان کے والد بزرگوار سلسلہ کے دیرینہ خدام میں سے ہیں اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے خطبات اور تقاریر کو محفوظ کرنے میں ان کا بڑا ہاتھ ہے۔ کچھ ان کی وجہ سے کچھ ان کے چچا پروفیسر محمد ابراہیم ناصر صاحب کی وجہ سے جو ہمارے رفیق کار تھے اور لمبا عرصہ صدر شعبہ ریاضی رہے اور کچھ ان کی اپنی وجہ سے میرے دل میں ان کیلئے ہمیشہ محبت رہی۔ ان کا بھی یہ کمال ہے کہ انہوں نے میرے ساتھ ہمیشہ رابطہ برقرار رکھا اور میری صحت اور بیماری کے ہر دور میں انہوں نے مجھے نہیں بھلایا۔

انہیں کالج کے زمانے سے لکھنے کا شوق تھا اور ان کے بعض مضامین المنار اور الفضل میں شائع ہوتے رہتے تھے۔ یہ مضامین میری نظر سے گزرتے رہتے تھے اور ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات کے مصداق مجھے نظر آ رہا تھا کہ اگر ان کا یہ ذوق و شوق اسی طرح برقرار رہا تو وہ وقت آنے پر ایک اچھے ادیب بن کر ابھریں گے۔

الحمدللہ میرا یہ خیال درست ثابت ہوا۔ چنانچہ 1995ء میں جب ان کی پہلی مرتبہ کتاب ''شوق ہمسفر میرا'' آئی تو بفضلہ تعالیٰ اسے قارئین کے ایک بڑے طبقہ نے پسند کیا۔ یہ کتاب فیروز سنز جیسے معروف طباعتی ادارے نے شائع کی تھی۔ اس لئے جلد ہی کتابوں کی ہر بڑی دوکان اور لائبریری میں پہنچ گئی۔ الفضل کے ایڈیٹر نسیم سیفی کو بھی یہ کتاب خوب پسند آئی اور انہوں نے کئی بار الفضل میں اس کا ذکر کیا جس کی وجہ سے یہ کتاب جماعتی حلقوں میں بھی مقبول ہو گئی۔

اس کے بعد ان کی کئی اور کتابیں جن کا تعلق بعض غیر ممالک کی سیاحت اور پنجاب کی تاریخ اور کلچر سے ہے چھپیں لیکن حال ہی میں انہوں نے ربوہ کی تاریخ کے حوالہ سے جو کتاب لکھی ہے وہ میرے نزدیک اس موضوع پر اپنی نوعیت کی پہلی کتاب ہے۔ اس کتاب میں تاریخ ربوہ کے بعض ایسے پہلو اجاگر کئے گئے ہیں جو عام لوگوں کی نظروں سے بلکہ بعض محققین کی نظروں سے بھی چھپے ہوئے ہیں۔

عزیزم محمد داؤد طاہر نے مجھ سے فرمائش کی ہے کہ میں اس کتاب کا دیباچہ لکھوں۔ میں نے ان سے بہت معذرت کی تھی کہ میری صحت اس بات کی اجازت نہیں دیتی مگر ان کا اصرار غالب رہا اور وہ مسودہ میرے پاس چھوڑ گئے۔

میں نے یہ مسودہ جستہ جستہ دیکھا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اسے جہاں سے بھی پڑھنا شروع کیا میں اس میں مگن ہو کر رہ گیا اور جب تک تھک نہیں گیا اسے پڑھتا رہا۔ ان کا حافظہ اللہ کے فضل سے بہت اچھا ہے اور انداز بیان بہت شستہ اور رواں ہے۔ جب ربوہ کی بنیاد رکھی گئی تو داؤد پانچ سال کے بچے تھے۔ لیکن انہیں اس دور کی بھی بعض باتیں انتہائی تفصیل کے ساتھ یاد ہیں۔ اس حافظے اور ان کے انداز بیان نے مل کر ایسی خوبصورت کتاب کو جنم دیا ہے جسے انشاءاللہ بے حد پسند کیا جائے گا اور بکثرت پڑھا جائے گا۔

میں امید کرتا ہوں کہ یہ کتاب جماعتی لٹریچر میں ایک عمدہ اضافہ ثابت ہوگی۔ وہ لوگ جنہوں نے ربوہ کو بنتے دیکھا ہے اس سے اور رنگ میں محظوظ ہوں گے اور وہ لوگ جن کی پیدائش اس دور کے بعد کی ہے یہ کتاب پڑھ کر ربوہ کے اس ماحول کا اندازہ لگا سکیں گے جس پر ہم ہمیشہ ناز کرتے رہے ہیں۔ وہ ماحول جو اب خواب و خیال ہو چکا ہے اس کتاب کے ذریعہ ہمیشہ زندہ رہے گا۔

میں نے اس کتاب کا وہ حصہ جس کا تعلق تعلیم الاسلام کالج اور اس کے اساتذہ سے ہے زیادہ دلچسپی کے ساتھ پڑھا ہے۔ میرے بہت سے رفقائے کار جو اب پیوند خاک ہو چکے ہیں، اس کتاب نے پھر سے زندہ کر دئے ہیں۔ پروفیسر ڈاکٹر سلطان محمود شاہد، پروفیسر ڈاکٹر نصیر احمد خان، پروفیسر حبیب اللہ خان، پروفیسر صوفی بشارت الرحمٰن، پروفیسر چوہدری محمد شریف خالد، پروفیسر چوہدری عطاءاللہ، مولانا ابوالعطاء جالندھری، مولانا غلام احمد بدوملہی، مولانا محمد الدین، پروفیسر چوہدری انور حسین، مکرم جنید ہاشمی صاحب.....غرض بہت سی ایسی شخصیات جن کے بغیر تعلیم الاسلام کالج کا تصور بھی محال تھا، آپ اس کتاب میں چلتی پھرتی دیکھ سکتے ہیں۔ خدا ان سب سے مغفرت کا سلوک فرمائے۔

اگرچہ اس کتاب کا کوئی باب حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کیلئے مختص نہیں کیا گیا لیکن آپ کا ذکر اس کتاب کے صفحات پر جا بجا پھیلا ہوا ہے۔ حضور کے بارہ میں ان باتوں نے مجھے آپ کی شفقت اور محبت کے کئی اور واقعات یاد دلا دئے ہیں لیکن یہ موقعہ ان کی تفصیل میں جانے کا نہیں۔ خدا آپ کے مرقد مبارک پر انوار کی بارش کرے۔

میں اپنے نوٹ کو اس دعا کے ساتھ ختم کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ عزیزم محمد داؤد طاہر کے اس شوق کو مزید جلا بخشے اور زندگی کے تمام شعبوں میں مزید کامیابیوں اور کامرانیوں سے ہمکنار ہوں۔

والسلام چوہدری محمد علی
وکیل التصنیف تحریک جدید انجمن احمدیہ پاکستان ربوہ

تاریخ کے جھروکے سے

ایک قابلِ ذکر واقعہ

گزشتہ سال ایک ذاتی کام کے سلسلے میں میرا پاکستان قیام کے دوران جھنگ شہر جانا ہوا۔جس نے ایک چالیس سالہ پرانے واقعے کی یاد تازہ کردی۔ہوا یہ کہ لاہور تعلیمی بورڈ کی ہدایت پر مجھے 30 مئی 1974 کی سہ پہر گورنمنٹ کالج جھنگ میں ایف ایس سی میڈیکل کے بیالوجی کے پریکٹیکل کا امتحان conduct کرنا تھا۔

میں صبح نماز اور ناشتے سے فارغ ہو کر ، ضروری کاغذات پکڑے گھر (دارالصدر) سے نکلا، ریلوے ٹریک کے ساتھ ساتھ چلتا ہوا ریلوے سٹیشن کے قریب پہنچا۔سامنے نظر آتی رحمت بازار کی دوودھ دہی کی دکانوں پر آج خلافِ معمول جمگھٹا نہیں تھا ، ماحول میں ایک اجنبی سی خاموشی تھی ، اکّا دُکّا لوگ ادھر اُدھر جا آ رہے تھے۔میں سفر کی دُھن اور امتحان کے خیالات میں ڈوبا، سٹیشن پہنچا، ٹکٹ لیا ہی تھا کہ سرگودہا ایکسپرس آ گئی ، چنیوٹ اتر کر بس پکڑی اور بارہ بجے کے قریب کالج پہنچ گیا۔میں اپنی آمد کی اطلاع پہلے ہی اپنے کلاس فیلو ملک سجاد صاحب لیکچرار بیالوجی کو دے چکا تھا۔

ملک صاحب اپنے دفتر میں اخبار پکڑے بڑی بے چینی سے میرا انتظار کر رہے تھے، مجھے دیکھ کو خوش ہوئے، خدا کا شکر ادا کرتے ہوئے پوچھا آپ کو رستے میں کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی ؟ میری حیرت دیکھ کر کہنے لگے ابھی ربوہ سے پروفیسر پروازی صاحب کا پریشانی کا فون پروفیسر سمیع اللہ قریشی اور مجھے آیا تھا اور تمہاری خیریت معلوم کی تھی ۔ میں ابھی دفتر جا کر انہیں آپ کے بخیریت پہنچنے کی اطلاع دیتا ہوں۔ یہ کہتے ہوئے میرے ہاتھ میں اخبار دے کر اطلاع دینے چلے گئے۔

اخبار کی شہ سرخی میں گزشتہ شام ربوہ اسٹیشن پر غنڈہ گردی اور متعدد گرفتاریوں کا ذکر تھا۔میں ساری خبر پڑھ گیا، میرے سان گمان میں بھی نہیں تھا کہ جس ریلوے سٹیشن سے میں گزر کر آیا تھا، وہاں گزشتہ شب اچھا بھلا دنگا ہوا تھا۔ مجھے یکدم یاد پڑا ربوہ کے پلیٹ فارم پر خلافِ معمول اینٹ پتھر بکھرے دیکھ کر اور دودھ دہی کی دکانوں پر غیر معمولی کم رونق دیکھ کر کچھ حیران ہوا تھا، اب سمجھ آئی ، میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے گرفتاری کے خطرے سے بچ کر جھنگ پہنچ پایا تھا۔اگرچہ گزشتہ شام محلے کی مسجد میں ریلوے سٹیشن پر چناب ایکسپرس کے سٹاپ کے دوران طلباء کی غنڈہ گردی کا کچھ ذکر ہوا تھا، لیکن کسی خطرے کا اظہار نہیں کیا گیا تھا، وگرنہ میں اپنی روانگی ملتوی کر کے بورڈ میں اطلاع دے دیتا۔

ربوہ میں پروفیسر پرویز پروازی صاحب کو میرے جھنگ جانے کے پروگرام کا علم تھا، جب انہوں نے اخبار دیکھا، تو خطرہ بھانپتے ہوئے فکرمندی سے میرے گھر پہنچے، پتہ چلنے پر کہ میں تو جھنگ کے لئے روانہ ہو چکا ہوں، آپ نے سمیع اللہ قریشی مرحوم کو گورنمنٹ کالج میں خیریت معلوم کرنے کے لئے جھنگ فون کیا۔اس دن علی الصبح پولیس نے حکومت کی ہدایت پر ربوہ اسٹیشن کے اردگرد کے علاقے میں raid کیا، اندھا دھند جو نظر آیا، خواہ کوئی مسجد سے آ رہا تھا، دودھ دہی لینے بازار جا رہا تھا یا دُکاندار دکان کھولنے جا رہا تھا گرفتار کر لیا گیا، یہ سب عمل میرے گھر سے ربوہ اسٹیشن پہنچنے سے ایک گھنٹہ پہلے ہو چکا تھا، مجھے اللہ کریم نے بچا یا۔ بعد میں گرفتار شدگان کو نا کردہ گناہ کی پاداش میں مہینوں سرگودہا جیل میں رکھا گیا۔ملاؤں کی ٹولی تاک میں رہتی جب کوئی رہا ہوتا، اسے تشدد کا نشانہ بنایا جاتا۔

اِدھر ان حالات سے بے خبر میں نے بورڈ کے دیئے schedule کے مطابق ٹھیک ایک بجے امتحان شروع کرا دیا۔ابھی آدھ گھنٹہ ہوا تھا، اطلاع آئی کہ بورڈ نے لائلپور، جھنگ اور سرگودھا اضلاع کے تمام امتحانی سنٹروں میں دودن کے لئے امتحان ملتوی کرنیکا اعلان کر دیا ہے۔پرچہ تو شروع ہو گیا تھا، میں نے unfished پرچے اکٹھے کر کے اور متعلقہ ریکارڈ سیل کر کے پرنسپل صاحب کے ذریعے لاہور بھجوا دیا۔

ملک صاحب مجھے بس اڈے پر چھوڑ نے گئے ۔بس کنڈکٹر ربوہ کا ٹکٹ نہیں دے رہا تھا، اتفاق سے بس کا مالک ملک صاحب کا شاگرد نکلا، اسکی مدد سے ربوہ کا نہ صرف ٹکٹ ملا بلکہ کنڈکٹر اور ڈرائیور کو ہدایت کی گئی کہ مجھے ربوہ میں گھر پہنچا کر سرگودہا جائے! ملک صاحب وفات پا چکے ہیں، اللہ تعالیٰ مغفرت کرے، میرے بہت پیارے دوست تھے۔

جھنگ شہر کی عالمِ سائنس سے وابستگی مرحوم ڈاکٹر محمد عبدالسلام صاحب کے مولد و مسکن ہونے کی وجہ سے ہے۔ڈاکٹر صاحب مرحوم نے اپنی قابلیت اور محنت اور خدا تعالیٰ کے فضل سے 1979 میں نوبل انعام حاصل کیا۔کینیڈا میں میرے دوست مکرم ممتاز حسین ناصر نے مجھے کچھ عرصہ ہوا کبیر والہ میں احمدیت کے نفوذ کا ذکر کرتے ہوئے بتایا تھا، کہ ایک زمانہ میں ڈاکٹر سلام صاحب کے والد مرحوم چوہدری محمد حسین صاحب اور آپ کے خالو مرحوم ملک حبیب الرحمٰن صاحب انسپکٹر آف سکولز، کبیر والہ ضلع ملتان میں متعین تھے، تو ڈاکٹر صاحب گرمی کی چھٹیاں انکے ہاں گزارتے اور اپنے خالو سے coaching حاصل کیا کرتے تھے۔اللہ تعالیٰ ان سب بزرگان پر اپنی رحمت کا سایہ رکھے۔آمین۔

(پروفیسر محمد شریف خان، فلاڈلفیا، امریکہ)

المنار نیوز لائن

تعلیم الاسلام کالج ربوہ کے سابق طالب علم مکرم عبدالرزّاق صاحب گزشتہ ہفتے ہمبرگ میں وفات پا گئے۔اناللہ وانا الیہ راجعون۔مرحوم کم وبیش 35 سال سے جرمنی میں مقیم تھے، وہیں آپ کی وفات اور تدفین ہوئی۔دوران تعلیم 1965 سے 1969 تک کالج باسکٹ بال ٹیم کے ممبر بھی رہے۔ ذیل کی گروپ تصویر میں آپ پہلی کرسی پر 8 نمبر کی شرٹ پہنے ہوئے شامل ہیں۔اللہ تعالیٰ مرحوم سے مغفرت کا سلوک فرمائے۔آمین۔

تعلیم الاسلام کالج کے ربوہ کے بعض پروفیسرز کا تذکرہ

(مکرم محمود مجیب اصغر صاحب).....قسط دوم

1965ء کے کانوکیشن پر فرمایا:

”حقیقی علم کا ابدی سرچشمہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے....اگر آپ علم سے محبت رکھتے ہیں تو ضروری ہے کہ آپ کا تعلق علم کے حقیقی سرچشمہ سے ہمیشہ مضبوط رہے۔ پس اپنی عقل اور علم پر تکیہ نہ کرو بلکہ ہمیشہ علوم حقیقی کے آستانہ پر عاجزی اور انکساری کے ساتھ جھکے رہو تا اس تعلق کے طفیل تمہارے دلوں سے بھی ہمیشہ مصفّی، میٹھے اور لذیذ علم کے سرچشمے پھوٹتے رہیں....یہ بھی نہ بھولنا کہ انسان علم اس لئے حاصل کرتا ہے کہ وہ خود اس سے فائدہ اٹھائے اور دوسروں کی خدمت کرے۔“ (حیات ناصر جلد اوّل صفحہ 219)

تعلیم الاسلام کالج کی پاکیزہ روایات

تعلیم الاسلام کالج کی روایات کا ذکر بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے خلیفہ بننے کے بعد کالج تشریف لا کر جلسہ تقسیم اسناد 1966ء کے موقعہ پر فرمایا:

”اس درسگاہ کے اساتذہ کی یہ روایت ہے کہ وہ اپنے طلباء کے ساتھ بچوں سے بھی زیادہ پیار کرتے ہیں۔ ان کی جائز ضروریات کا خیال رکھتے ہیں۔ دکھ سکھ میں ان کے شریک ہوتے ہیں۔ ہر وقت بے نفس خدمت میں لگے رہتے ہیں۔ اور پوری توجہ اور پوری کوشش کے ساتھ بچوں کی رہبری اور رہنمائی میں مصروف رہتے ہیں۔ ہمارے عزیز بچوں میں یہ روایت پختگی کے ساتھ قائم ہو چکی ہے کہ وہ غلط سیاست میں حصہ نہیں لیتے اور سٹرائیک (Strike) اور دیگر ایسی ہی بدعادات سے اتنے ہی دور ہیں جتنی کہ زمین آسمان سے۔

اس درس گاہ کا فکر و عمل مذہب و ملت کی تفریق سے بالا ہے۔ ہر طالب علم خواہ وہ کسی مذہب کسی فرقہ یا کسی سیاسی جماعت سے ہی تعلق کیوں نہ رکھتا ہو ہر قسم کی جائز سہولتیں حاصل کرتا ہے اور اس کالج کے اساتذہ ہر طالب علم کی جسمانی اور ذہنی نشوونما کی طرف پوری طرح متوجہ رہتے ہیں۔

یہاں امیر و غریب میں کوئی امتیاز نہیں رکھا جاتا۔ ایک غریب کے احترام کا ویسا ہی خیال رکھا جاتا ہے جیسا کہ کسی امیر طالب علم کا۔ اساتذہ اس طالب علم کی قدر کرتے ہیں جو علمی شوق رکھتا ہو۔ اور علم کی وسیع شاہراہ پر بشاشت اور محنت کے ساتھ آگے بڑھنے والا ہو۔ اور سب سے بڑھ کر ہمارے اساتذہ میں یہ احساس پختگی کے ساتھ قائم ہے کہ محض ظاہری دیکھ بھال اور تربیت کافی نہیں ہے۔ ہمارے بچوں کا پہلا اور آخری حق ہم پر یہ ہے کہ ہم دعاؤں کے ساتھ ان کی مدد کرتے رہیں۔

(حیات ناصر جلد اوّل صفحہ 210-211)

خاکسار کے پاس وہ الفاظ نہیں ہیں اور نہ قلم میں وہ طاقت ہے کہ اس عظیم انسان پرنسپل ٹی آئی کالج اور اس عظیم ادارہ ٹی آئی کالج کی خوبیاں اور عظمتیں بیان کرے۔ اس لئے انہی فقرات پر اکتفاء کر کے آگے باقی اساتذہ کا ذکر کرتا ہے۔ وما توفیقی الا باللہ۔

پروفیسر میاں عطاء الرحمٰن صاحب (ایم ایس سی بی ٹی)

آپ اس زمانے میں فزکس کے ہیڈ آف ڈیپارٹمنٹ ہوتے تھے۔ نہایت درویش منش، لائق، محنتی، زمین پر چلتے پھرتے فرشتے تھے۔ پرنسپل صاحب کی غیر موجودگی میں آپ قائم مقام پرنسپل ہوا کرتے تھے۔ چنانچہ جب خاکسار کا داخلہ ہوا تو آپ نے ہی انٹرویو لیا اور داخلہ فارم پر دستخط کئے تھے جس کے نیچے Acting Principal کی مہر لگی تھی۔ آپ سے ہماری کلاس نے باقاعدہ نہیں پڑھا کیونکہ اور پروفیسر مقرر تھے۔ (آپ اس وقت بی ایس سی کی کلاسوں کو فزکس پڑھاتے تھے) تاہم چند لیکچر آپ نے بھی ہماری کلاس کو دئے اور اتنے تحمل اور پیار سے پڑھاتے تھے کہ ان کے لیکچر کا ایک ایک لفظ لکھا بھی جا سکتا تھا اور مضمون پوری طرح سمجھ آ جاتا تھا۔ کمزور سے کمزور ذہن کو مدنظر رکھ کر لیکچر دیا کرتے تھے تاکہ ہر ایک استعداد کے طالب علم کو سمجھ آ جائے۔ ایف ایس سی کا رزلٹ نکلنے کے بعد جو عبوری سرٹیفکیٹ کالج کی طرف سے خاکسار کو ملا تھا اس پر بھی قائم مقام پرنسپل کے طور پر آپ ہی کے دستخط تھے۔ آپ کی علمی قابلیت کا یہ عالم تھا کہ پنجاب یونیورسٹی کے فزکس کے ہیڈ آف دی ڈیپارٹمنٹ ڈاکٹر عبدالبصیر پال اپنے فزکس کے مسائل آپ کے پاس آ کر Discuss کیا کرتے تھے۔

آپ کا مالوف وطن حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ کا مولد و مسکن بھیرہ تھا۔ گزشتہ دنوں رجسٹر روایات میں سے مندرجہ ذیل روایت خاکسار کو ملی جو آپ کے بارہ میں ہے ایمان افروز ہے۔ محترمہ فاطمہ بی بی صاحبہ بنت میاں کرم الدین صاحب (صحابہ 313) میں شامل سکنہ بھیرہ اہلیہ (میاں) اللہ بخش صاحب بحوالہ رجسٹر روایات نمبر 13 صفحہ 7 پر تحریر فرماتی ہیں:

”میری والدہ صاحبہ مسماۃ طالع بی بی صاحبہ مرحومہ اور والد صاحب نے حضور کو دعویٰ کرتے ہی مان لیا۔ ایک دفعہ میری والدہ کو خواب آئی کہ کوئی بہت بڑے بزرگ آدمی ہیں وہ کہتے ہیں کہ قادیان میں جو امام مہدی صاحب ہیں ان کے ساتھ آپ نکاح پڑھائیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو لڑکا عطا کرے گا۔ (کیونکہ ان کا لڑکا کوئی نہیں تھا اور خواہش تھی کہ لڑکا ملے۔ پھر خواب اپنے خاوند کو سنائی۔ انہوں نے قادیان لکھی۔ حضور نے جواباً تحریر فرمایا کہ جس عورت کو خواب آئی ہے اس عورت کو مجھ پر کامل یقین نہیں ہے۔ اگر وہ مجھ پر کامل یقین کرے تو خدا لڑکا عطا کرے گا تو پھر قادیان دستی بیعت کیلئے گئے اور پھر خدا تعالیٰ نے لڑکا عطا فرمایا جس کا نام حضور نے عطاء الرحمٰن رکھا جو کہ خدا کے فضل سے موجود ہے۔ میری عمر اس وقت 12 سال تھی۔“ (تاریخ احمدیت بھیرہ کے مطابق آپ کی پیدائش 1905ء کی ہے)

(جاری...)

شگفتہ شگفتہ

یار Lux صابن بنانے والوں نے مجھ سے 5 کروڑ کا سوال پوچھا کہ پاکستان میں ایسا کون ہے جو سال میں صرف ایک بار نہاتا ہے؟ دوست! یقین کرو میں نے 5 کروڑ پر لات ماردی مگر تمہارا نام نہیں بتایا۔

ذروں کی کہانی - آصف کی زبانی

ڈاکٹری میں بھی اوّل (آصف علی پرویز)

دوست: پچھلی گفتگو میں آپ نے عبدالسلام صاحب کا امریکہ میں تحقیق کا ذکر کیا تھا۔ آپ وہاں کتنا عرصہ رہے؟

آصف: آپ تقریباً ایک سال وہاں تحقیق میں مصروف رہے اور پھر واپس کیمبرج آ گئے۔

دوست: مجھے یاد آیا کہ آپ کیمبرج تو Ph.D کی ڈگری لینے کیلئے گئے تھے اس کا کیا بنا؟

آصف: کیمبرج یونیورسٹی کے قوانین کے تحت تین سال سے قبل Ph.D کی ڈگری نہیں دی جاتی اور آپ نے تو ایک سال سے کچھ ہی زیادہ عرصہ وہاں گزارا تھا۔ چنانچہ یونیورسٹی کے قوانین میں آپ کی خاطر تبدیلی کی گئی۔

دوست: یہ تو ایک بہت بڑی بات نہیں کہ ایک غیر ملکی طالب علم کیلئے یونیورسٹی کے قوانین ہی تبدیل کر دیئے جائیں!

آصف: یقیناً یہ ایک بہت بڑی بات ہے۔ دراصل عبدالسلام صاحب نے تحقیقی کام تو ایک سال میں ہی مکمل کر لیا تھا۔ **دوست:** پھر کیا ہوا؟

آصف: یونیورسٹی نے فیصلہ کیا کہ آپ اپنا فائنل مقالہ لاہور سے بھی بھجوا سکتے ہیں۔ لیکن زبانی امتحان کیلئے آپ کو دوبارہ کیمبرج آنا ہوگا۔ **دوست:** تو کیا آپ دوبارہ انگلستان آئے؟

آصف: جی ہاں! 1952ء کے موسم گرما میں آپ کیمبرج آئے۔ آپ وہاں سے برمنگھم گئے۔

جہاں پروفیسر روڈلف پیریل نے آپ کا زبانی امتحان لیا اور یوں آپ ''مسٹر سے ڈاکٹر'' بن گئے

دوست: کیا کیمبرج یونیورسٹی نے آپ کے مقالہ کو کوئی اور اعزاز بخشا؟

آصف: یقیناً۔ آپ کو بہترین مقالہ لکھنے پر سمتھ انعام سے نوازا گیا۔ فالحمدللہ علیٰ ذالک۔

دوست: گویا آپ نے ہر جگہ اوّل آنے کی روایت کو برقرار رکھا۔ آپ کے روسی نژاد نگران پروفیسر نکولس کیمر تو آپ کی اس نمایاں کامیابی پر بہت خوش ہوں گے۔

آصف: یقیناً وہ بہت خوش تھے کیوں نہ میں آپ کو وہ رپورٹ پڑھ کر سناؤں جو پروفیسر کیمر نے آپ کے بارے میں لکھی؟ **دوست:** کیوں نہیں ضرور ضرور!

آصف: اس رپورٹ کا اردو ترجمہ کچھ یوں ہے: ''میں چاہتا ہوں کہ عبدالسلام کے مقالہ پر اس رپورٹ کا تعارف اپنے ان تعلقات سے کروں جو مجھے اس غیر معمولی اور ممتاز نوجوان سے اور اس کے کام سے رہے ہیں۔ پچھلے سال جنوری 1950 میں اس کا ریسرچ سپروائزر بنا تھا۔ میں اسے اپنی نگرانی میں لینے کیلئے بالکل رضامند نہیں تھا کیونکہ میرے پاس ریسرچ سٹوڈنٹس کی تعداد تحقیق کے لئے موضوعات وخیالات سے زیادہ تھی لیکن مجھے اس کا نگران بننے پر مجبور کیا گیا۔ میں نے ایسا فیصلہ یہ سوچتے ہوئے کیا تھا کہ پہلے سال وہ مجھے زیادہ تنگ نہیں کرے گا کیوں کہ تحقیق کے اس میدان میں اسے بالکل علم نہیں تھا۔ میرا یہ بھی خیال تھا کہ وہ ایک سال تک تو دوسروں کے کام دیکھتا رہے گا لیکن یہاں تو معاملہ ہی مختلف ہو گیا۔ چھ ہفتوں کے اندر اس نے ایک ایسا مسئلہ حل کر لیا جسے میرے بہترین اور ذہین شاگرد حل کرنے میں ناکام ہو گئے تھے۔

دوست: کیسی اعلیٰ تعریف عبدالسلام صاحب کی فرما رہے ہیں۔ آپ مزید کیا لکھتے ہیں؟

آصف: ''اس واقعہ کے بعد ابھی ایک ماہ بھی نہیں گزرا تھا کہ میں ان مسائل کی تفصیلات جو سائنسی رسائل میں شائع ہوئے تھے معلوم کرنے کیلئے اس کے پاس جانے لگا۔ اب تک جو تحقیقی کام اس نے شائع کیا ہے۔ وہ اس کی اپنی کاوشوں کا نتیجہ ہے اگرچہ ان مسائل کی موجودگی کا مرکزی خیال پروفیسر ڈائی سن اور پال میتھوز کا تھا اس کے تحقیقی کام کی بعض تفصیلات اتنی پیچیدہ ہیں کہ انہیں محدود وقت میں میرے لئے بھی سمجھنا مشکل ہے۔ تحقیقی کام کے کسی پہلو کے بارے میں میں جب ان سے گفتگو کرتا تو ان کے ذہن میں نظریات کی ایک مکمل وضاحت اور سوچ پاتا۔ اس بارے میں انکا مطالعہ بہت عمیق ہے۔ اس لئے آج میں اپنے آپ کو سلام کا شاگرد سمجھتا ہوں نہ کہ استاد۔

دوست: یہ کتنا بڑا اعزاز ہے کہ کیمبرج میں پڑھانے والا پروفیسر ایک 26 سالہ پاکستانی طالب علم کو اپنا استاد کہتا ہے!

آصف: یقیناً اس سے بڑا خراج تحسین ہو ہی نہیں سکتا۔ کیا میں باقی حصہ آپ کو سناؤں؟

دوست: جی ضرور!

آصف: پروفیسر کیمر لکھتے ہیں کہ میں نے اس کے بلند مرتبہ کو سمجھنے میں کبھی غلطی نہیں کی۔ میری اس رائے کی تائید پروفیسر ڈائسن خود ہیں۔ جنہوں نے اس مضمون کے ارتقاء کیلئے بہت کام کیا ہے۔ اس نے نہ صرف سلام صاحب کے تحقیقی نتائج کو تسلیم کیا ہے بلکہ اس بات کی بھی وضاحت کی ہے کہ اس موضوع پر سلام صاحب سے گفتگو کر کے انہوں نے بہت فائدہ اٹھایا ہے۔ اس لئے یہ بات میرے لئے ذرا بھی باعث حیرت نہیں ہوئی کہ پرنسٹن انسٹی ٹیوٹ برائے ایڈوانس سٹڈیز نے انہیں اپنا ممبر بنایا ہے حالانکہ نظریاتی طبیعات میں اسے تحقیق کرتے ہوئے ایک سال کا عرصہ بھی نہیں ہوا''

دوست: اگرچہ آپ نے کچھ کوشش تو کی ہے کہ مجھے سمجھا سکیں کہ ڈاکٹر عبدالسلام صاحب کی کیا تحقیق تھی لیکن مجھے اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ میں پوری طرح آپ کی بات سمجھ نہیں سکا۔ تاہم پروفیسر کیمر کے بیان سے یہ واضح ہے کہ آپ نے اتنی چھوٹی عمر میں ایک غیر معمولی سائنسی کارنامہ سرانجام دیا۔

آصف: بات یہ ہے کہ آپ کی تحقیق اتنی پیچیدہ ہے کہ اسے سادہ الفاظ میں سمجھانا اگر ناممکن نہیں تو یقیناً مشکل ضرور ہے۔ جس حد تک مجھ سے ممکن ہو سکا میں نے سادہ الفاظ میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے مگر مجھے بھی اعتراف ہے کہ پیچیدہ ریاضی کا سہارا لئے بغیر اس کی وضاحت کی ہی نہیں جا سکتی تاہم ایک بات یقینی ہے کہ اس نوعمری میں ہی آپ دنیا کے نامور سائنسدانوں کی صف میں شامل ہو گئے تھے۔

دوست: کیا اور کسی کالج نے بھی آپ کو فیلوشپ پیش کی؟

آصف: کیمبرج کے سب سے بڑے ٹرینٹی کالج نے بھی آپ کو فیلوشپ پیش کی۔ مگر آپ نے اسے شکریہ کے ساتھ رد کر دیا اور یوں آپ پہلے شخص تھے جس کو اتنی اعلیٰ پیشکش کو رد کرنے کا ''اعزاز'' ملا۔

دوست: آخر اتنی بھی بے رخی کیا!

آصف: ڈاکٹر عبدالسلام صاحب سے جب کسی نے سوال کیا تو آپ نے مذاقاً کہا کہ ''سینٹ جان کالج کے پھولوں کے لان ٹرینٹی کالج کے لان سے زیادہ خوبصورت ہیں اور پھر مسکرا کر کہا'' آخر وفاداری بھی کوئی چیز ہوتی ہے۔''

دوست: آپ کب کیمبرج سے واپس آئے؟

آصف: آپ ستمبر 51 میں واپس پاکستان آ گئے۔ اس دوران آپ کے ابا جان نے میاں افضل حسین صاحب کو ڈاکٹر عبدالسلام کی شاندار کامیابی پر لکھا تو جواباً انہوں نے تحریر فرمایا: ''عبدالسلام جیسے افراد پر کسی ایک فرقہ اقوام یا ملک کی اجارہ داری نہیں ہوتی بلکہ ایسے نامی گرامی لوگوں کا اپنا ایک مقام ہوتا ہے اور وہ تمام دنیا بلکہ بنی نوع کی ملکیت ہوتے ہیں۔''

دوست: یقیناً آپ جیسے لوگ عالمی حیثیت رکھتے ہیں۔

آصف: کیوں نہ اس گفتگو کو ایک دلچسپ واقعہ پر ختم کریں۔

دوست: کیوں نہیں!

آصف: آپ کے ابا جان کے ایک زمیندار دوست تھے جب انہیں پتہ چلا کہ عبدالسلام اب ''ڈاکٹر'' بن گیا ہے تو وہ بھی مبارک دینے کیلئے آ پہنچے۔ دوران گفتگو انہوں نے کہا کہ بیٹا! میرے سر میں سخت درد رہتا ہے کوئی دوائی تجویز کرو۔ تو آپ نے کہا کہ ایسپر وکی گولی لے لیا کریں اور تفکرات کو کم کریں۔ اس سادہ لوح بزرگ نے کہا کہ ایسپر و تو میں لیتا ہوں۔ مجھے تم کوئی ولایتی یا امریکی دوا دو کیونکہ آخر تم نے ''ڈاکٹری'' وہاں سے ہی کی ہے۔ بڑی مشکل سے آپ کے ابا جان نے انہیں سمجھایا کہ عبدالسلام کوئی میڈیکل ڈاکٹر نہیں ہیں بلکہ انہوں نے تو ذروں پر تحقیق کر کے ''ڈاکٹری'' کی ڈگری لی ہے۔ انہوں نے ایک ٹھنڈی آہ بھرتے ہوئے کہا کہ ذروں پر ہی تحقیق کرنی تھی تو اتنی دور کیوں گئے۔ میرے کھیتوں سے آ کر بیشک دو بورے مٹی کے ذروں کے لے جاتے اور جی بھر کر تحقیق کرتے!